بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری☆

رسول اکرم ﷺ کی سماجی زندگی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی ۔ وہ زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں ہے جو دریا کے کنارے بیٹھ کر اور دنیاوی لوازم سے کٹ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو، بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی ۔ وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ انسان سازی کاوشوں کی روداد ہے، وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پر مشتمل ہے ۔ ایک پوری جماعت، ایک انقلابی تحریک اور ہیئت اجتماعیہ اس کارنامے کی تفصیل اپنے اندر لئے ہوئے ہے ۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت غار حرا سے لے کر غار ثور تک، حرم کعبہ سے لے طائف کے بازار تک، امہات المومنین ؓ کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ۔

پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی مثال کسی تالاب میں ٹھہرے ہوئے پانی کی نہیں ہے کہ جس کے ایک کنارے کھڑے ہو کر ہم بیک نظر اس کا جائزہ لے ڈالیں ۔ وہ تو ایک بہتا ہوا دریا ہے جس میں حرکت ہے، روانی ہے، کشمکش ہے، موج و حباب ہیں، سیپیاں اور موتی ہیں اور جس کے پانی سے مردہ کھیتوں کو مسلسل زندگی مل رہی ہے ۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر ایک گوشہ ایک ہی طرح کے کمال کا نمونہ نہیں ۔ جلال ہے تو جمال بھی ہے، روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دُنیا بھی ہے ۔ ایک گونہ بے خودی بھی ہے مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے ۔ خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لئے محبت و شفقت بھی ہے ۔ کڑا اجتماعی نظم ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے ۔ گہری مذہبیت ہے تو دوسری

طرف ہمہ گیر سیاست بھی ہے۔ قوم کی قیادت میں انہاک ہے مگر ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی کے لوازم بھی نہایت خوبصورتی سے ادا ہو رہے ہیں۔ مظلوموں کی دادرسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ پکڑنے کا اہتمام بھی ہے۔

آپ کی سیرت کی مدد سے ایک حاکم، ایک امیر، ایک وزیر، ایک افسر، ایک ملازم، ایک سپاہی، ایک تاجر، ایک مزدور، ایک جج، ایک معلم، ایک واعظ، ایک لیڈر، ایک ریفارمر، ایک فلسفی، ایک ادیب، ہر کوئی یکساں درس حکمت اور عمل لے سکتا ہے وہاں ایک باپ کے لئے، ایک پڑوسی کے لئے، ایک ہم سفر کے لئے یکساں مثالی نمونہ موجود ہے۔ ایک بار جو کوئی اس درس گاہ تک آ پہنچتا ہے پھر اسے کسی دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ غرض انسانیت جس آخری کمال تک پہنچ سکتی تھی وہ اس ایک ہستی میں جلوہ گر ہے۔ تاریخ کے پاس ''انسان اعظم'' صرف یہی ایک ہے جس کو چراغ بنا کر ہر دور میں ہم ایوان حیات روشن کر سکتے ہیں۔(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک درخشاں باب ہے، کیونکہ بنی آدم کی خیر خواہی، محبت انسانی اور خدمت خلق کی جو تعلیم ہمیں آپ کے اقوال میں ملتی ہے اس کا عملی نمونہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں جابجا جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ دُنیا درحقیقت جدوجہد اور سعی و کوشش کا ایک میدان ہے، جس میں تمام انسان باہمی معاونت سے اپنا اپنا راستہ طے کر رہے ہیں۔ دنیا کی تمدنی معاشرت میں ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال و لحاظ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اکٹھے چلنے میں یقیناً بہت کچھ مسائل پیش آتے ہیں، اس لئے وہ شخص جو ان اجتماعی مشکلات سے گھبرا کر الگ ہو جاتا ہے اور صرف اپنا بوجھ اپنے کندھے پر رکھ کر چل کھڑا ہوتا ہے وہ کارزار دنیا میں ناکام سپاہی کا مقام حاصل کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور اُن کی تکلیف دہی پر صبر کرتا ہے، اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا اور ان کی تکلیف دہی پر صبر نہیں کرتا۔(۲)

ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ اور سیرت طیبہ کے واقعات کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی زندگی کے چند خاص گوشوں پر روشنی پڑالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عام سماجی روابط:

عموماً بلندیوں پر فائز افراد اور بڑے بڑے کام کرنے والے لوگ عام لوگوں سے رابطے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے اور نہ ہر طرف توجہ دے سکتے ہیں۔ بعض بڑے لوگوں میں تو خلوت پسندی اور

خشک مزاجی پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ کبر کا شکار ہو کر اپنے لئے ایک نیا عالم تراش لیتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی عظمت کے مقام پر فائز ہو کر اور تاریخ کا رُخ بدلنے والے کارنامے انجام دینے کے باوجود بھی عامۃ الناس سے پوری طرح مربوط تھے، اور جماعت اور معاشرے کے افراد سے شخصی اور نجی تعلقات رکھتے تھے، پھر آپ ﷺ میں کسی قسم کے امتیاز و اختصاص کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظام اُخوت کی تاسیس فرمائی تھی اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم گر مربوط رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں، جب کہ آج جو تمدن مغرب میں نشو و نما پا گیا ہے اس کی فضا بڑی انسانیت کش ہو گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں اس فضا کو بدلنا آج کی دنیا کی بقا کے لئے ازبس ضروری ہے۔ آیئے! ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی زندگی کا مطالعہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ راستے میں ملنے والوں سے سلام کرنے میں پہل کرتے اور کسی کو پیغام بھجواتے تو سلام ضرور کہلواتے۔ کسی کا سلام پہنچایا جاتا تو بھیجنے والے کو بھی اور لانے والے کو بھی جدا جدا سلام کہتے۔ ایک بار لڑکوں کی ٹولی کے پاس سے گزرے تو اُن کو سلام کیا، عورتوں کی جماعت کے قریب سے ہو کر نکلے تو اُن کو سلام کیا، گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور گھر سے نکلتے ہوئے گھر کے لوگوں کو بھی سلام کہتے۔ احباب سے معانقہ بھی فرماتے اور مصافحہ بھی، مصافحے سے ہاتھ اس وقت تک نہ کھینچتے جب تک دوسرا خود ہی اپنا ہاتھ الگ نہ کر لیتا۔ (۳)

آپ ﷺ اس اَمر کو ناپسند فرماتے کہ صحابہ کرامؓ تعظیم کے لئے کھڑے ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے ''میں تو فقط ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح ہی کھاتا ہوں اور بندوں ہی کی طرح پیتا ہوں''۔ (۴) اپنے زانو ساتھیوں سے بڑھا کر نہ بیٹھتے۔ کوئی آتا تو اعزاز کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے۔ آنے والا جب تک خود نہ اُٹھتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے الگ نہ ہوتے۔

اہل مجلس کی گفتگو میں غیر متوقع موضوع نہ چھیڑتے بلکہ جو سلسلہ کلام چل رہا ہوتا اسی میں شامل ہو جاتے۔ چنانچہ نماز فجر کے بعد مجلس رہتی اور اس میں صحابہ کرامؓ سے خوب باتیں ہوتیں، جاہلیت کے قصے چھڑ جاتے اور ان پر خوب ہنسی بھی ہوتی۔ (۵)

جس موضوع سے اہل مجلس کے چہروں سے اکتانے کا اثر محسوس ہوتا اسے آپ ﷺ فوراً بدل دیتے۔ ایک ایک فرد مجلس پر توجہ فرماتے تاکہ کوئی یہ محسوس نہ کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس پر فوقیت دی ہے۔ دورانِ تکلم کوئی غیر متعلق سوال چھیڑ دیتا تو اسے نظر انداز کر کے گفتگو جاری رکھتے اور

سلسلہ پورا کرکے پھر اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے۔(۶) خطاب کرنے والوں کی جانب سے اس وقت تک رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ پھیر لیتا۔ کان میں کوئی سرگوشی کرتا تو جب تک وہ بات پوری کرکے منہ نہ ہٹا لیتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنا سر اسی طرف جھکائے رکھتے۔(۷)

آپ ﷺ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے، کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ ﷺ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے، مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا، آپ ﷺ بھی اس میں شامل ہو جاتے، ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے خود بھی مذاقیہ باتیں فرماتے، کبھی کسی قبیلے کا کوئی معزز شخص آجاتا، تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے اور فرماتے **اکرم کریم کل قوم**، مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے؟ یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو اُن کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔(۸)

ناپسندیدہ باتوں سے یا تو اعراض فرماتے ورنہ گرفت کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ براہ راست نام لے کر ذکر نہ کرتے بلکہ عمومی انداز میں اشارہ کرتے یا جامع طور پر نصیحت کر دیتے۔ انتہائی تکدر کی صورت میں جو فقط دینی اُمور میں ہوتا تھا، احباب کو احساس دلانے کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ طریق اظہار تھا کہ یا تو شخص متعلق کے آنے پر سلام قبول نہ کرتے یا عدم التفات دکھاتے۔ ناپسندیدہ آدمی کے آنے پر بھی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص آیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا فرد تصور نہ کرتے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تکلفی سے بات چیت کی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے کہ قیامت کے دن خدا کے حضور وہ شخص بدترین آدمی کا مقام پائے گا جس سے لوگ اس کی بدسلوکی کے ڈر سے ملنا جلنا چھوڑ دیں''۔(۹)

کسی کی ملاقات کو جاتے تو دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر اطلاع دیتے اور اجازت لینے کے لئے تین مرتبہ سلام کہتے۔ جواب نہ ملتا تو بغیر کسی احساس تکدر کے واپس چلے جاتے۔ رات کو کسی سے ملنے جاتے تو اتنی آواز میں سلام کہتے کہ اگر وہ جاگتا ہو تو سن لے اور سو رہا ہو تو نیند میں خلل نہ آئے۔(۱۰)

بدن یا لباس سے کوئی شخص تنکا یا مٹی وغیرہ ہٹاتا تو شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے: **مسح اللہ عنک**۔ (۱۱) ''خدا ہر اس شے کو تم سے دُور کرے جو تمہیں بُری لگے''۔ ہدیہ قبول کرتے اور جواباً ہدیہ دینے کا خیال رکھتے۔ کسی شخص کو اتفاقاً کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو اسے بدلہ لینے کا حق دیتے اور کبھی عوض میں کوئی

ہدیہ دیتے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: **کان یقبل الھدیۃ ویثیب علیھا۔** ''آپ ہدایا قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے''۔(۱۲) کوئی شخص نیا لباس پہن کر سامنے آتا تو فرماتے: **حسنۃ حسنۃ ابل و اخلق۔**(۱۳) ''خوب ہے خوب، دیر تک پہنو، بوسیدہ کرو''۔ بدسلوکی کا بدلہ بُرے سلوک سے نہ دیتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے، دوسرے کے قصور معاف کر دیتے تو اطلاع کے ساتھ اپنا عمامہ علامت کے طور پر بھیج دیتے۔ کوئی پکارتا تو خواہ وہ گھر کا آدمی ہو یا رفقا میں سے ہمیشہ ''لبیک'' (حاضر ہوں) کہتے۔(۱۴)

کوئی مسافر سفر سے واپس آتا اور حاضری دیتا تو اس سے معانقہ کرتے۔ بعض اوقات پیشانی چوم لیتے، کسی کو سفر کے لئے رخصت فرماتے تو کہتے کہ بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ محبت آمیز بے تکلفی میں کبھی کبھی احباب کے ناموں کو مختصر کر کے بھی پکار لیتے جیسے ابا ہریرہؓ کے بجائے ابا ہر۔ حضرت عائشہؓ کو کبھی کبھار ''عاش'' کہہ کر پکارتے۔(۱۵)

بچوں سے بہت دلچسپی تھی، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے، دعا فرماتے، ننھے بچے لائے جاتے تو ان کو گود میں لے لیتے، ان کو بہلانے کے لئے اس قسم کے جملے کہتے جن سے بچے مانوس ہوتے ہیں۔ **خرقہ خرقہ فی عین کل بقۃ** ایک معصوم بچے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: **انھم عن ریحان اللہ۔** ''یہ بچے تو خدا کے باغ کے پھول ہیں''۔ بچوں کے نام تجویز کرتے، بچوں کو قطار میں جمع کر کے انعامی دوڑ لگواتے کہ دیکھیں کون ہمیں پہلے چھو لیتا ہے۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی سینہ پر گرتا، کوئی پیٹ پر، بچوں سے دل لگی بھی کرتے۔ مثلاً حضرت انسؓ کو کبھی پیار سے کہا: ''اے دو کان والے''۔ حضرت انسؓ کے بھائی ابو عمیر کا پالا ہوا ممولا مر گیا تو وہ اداس بیٹھا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو پکار کر کہا ابو عمیر! تمہارے ممولے کو کیا ہوا؟ عبداللہ بن بشیر کے ہاتھوں ان کی والدہ نے ہدیے کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انگور بھیجے، وہ انہیں راستے میں کھا گئے۔ بعد میں معاملہ کھلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیار سے عبداللہ کے کان پکڑ کر کہتے: ''اے دھوکے باز، اے دھوکے باز'' سفر سے آ رہے ہوتے تو جو بچہ راستے میں ملتا اسے سواری پر بٹھا لیتے۔ چھوٹا ہوتا تو آگے اور بڑا ہوتا تو پیچھے۔ فصل کا میوہ پہلی بار آتا تو دعائے برکت مانگ کر کم عمر بچے کو دے دیتے۔(۱۶)

بوڑھوں کا احترام فرماتے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ضعیف العمر والد کو جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے بیعت اسلام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو فرمایا:

''انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا''۔(۱۷)

میل جول کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار کی تصویر حضرت انسؓ نے خوب کھینچی ہے۔وہ فرماتے ہیں: ''میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس برس تک رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہی۔کوئی کام جیسا بھی کیا آپ ﷺ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا؟ یہی معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادموں اور کنیزوں کے ساتھ رہا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے کسی کو نہیں مارا''۔(۱۸)

اس کی تصدیق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواج یا خادموں میں سے کبھی کسی کو نہ مارا نہ کسی سے کوئی ذاتی انتقام لیا۔بجز اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے راستے میں جہاد کریں یا قانونِ الٰہی کے تحت اس کی مقرر کردہ حرمتوں کے تحفظ کے لئے کارروائی کریں۔(۱۹)

عیادت اور تعزیت:

بیماروں اور مریضوں کا طبقہ دُنیا کا ایک کمزور طبقہ ہے جو ہماری ہمدردی اور مدد کا مستحق ہوتا ہے۔یہ عموماً اپنی اس حالت میں اپنی خدمت اور خبر گیری نہیں کر سکتے۔ان کی دیکھ بھال،خدمت،غم خواری اور تیمارداری بھی انسانیت کا ایک فرض ہے اور اس کا نام عربی میں ''عیادت'' ہے۔عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عیادۃ المریض کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہیں۔یعنی بیمار کو بیماری کی حالت میں دیکھنے کو جانا لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے۔بیمار کی عیادت کے معنی بیمار پرسی کے بھی ہیں اور اس کی تیمارداری،غم خواری اور خدمت گزاری کے بھی ہیں۔بیمار کو بیماری کی حالت میں صرف دیکھنے کو جانا تو عیادت کی معمولی قسم ہے اس سے زیادہ یہ ہے کہ اس کی پوری تیمارداری اور خدمت گزاری کی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کی عیادت کی خاص تاکید فرمائی ہے۔اس کے آداب تعلیم کئے ہیں،اس کی دُعائیں سکھائی ہیں اور اس کا ثواب بتایا ہے۔فرمایا:

جو کوئی مسلمان کسی کے غم کو ہلکا کرے گا،خدا اُس کے غم کو ہلکا کرے گا۔(۲۰)

اور یہ بھی فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں،جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرے۔(۲۱)

صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا تھا جن میں سے

ایک بیمار کی عیادت ہے۔(۲۲) ارشاد ہوا کہ کوئی صبح کو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کی مغفرت کی دُعا مانگتے ہیں اور جب وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اس کی مغفرت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دُعا کرتے ہیں، (۲۳) یہ بھی فرمایا کہ ”جب کوئی کسی بیمار کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک وہ جنت کے میوے چنتا رہتا ہے“۔(۲۴) فرمایا کہ جب کوئی کسی کی عیادت کو جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اور اس کو تسلی دے اور اس کو شفا پانے کے لئے خدا سے دُعا کرے۔(۲۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم سے صحابہ کرامؓ کو بیماروں کی عیادت کا اس قدر خیال تھا کہ وہ اس کو ایک اسلامی حق جانتے تھے بلکہ اس معاملے میں مسلمان اور غیر مسلمان کی بھی تفریق نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی عیادت فرمائی ہے اور منافقوں کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔(۲۶) چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک یہودی غلام جب مرض الموت میں بیمار ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔(۲۷) حضرت سعد بن معاذؓ زخمی ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خیمہ مسجد میں نصب فرمایا تھا کہ بار بار ان کی عیادت کی جا سکے۔ رفیدہؓ ایک صحابیہ تھیں جو ثواب کی خاطر زخمیوں کا علاج اور ان کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ ان کا خیمہ بھی اس مسجد میں رہتا تھا تاکہ لڑائیوں کے مسلمان زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کریں۔(۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو عمومیت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ بھوکے کو کھلاؤ، قیدی کو چھڑاؤ اور بیمار کی عیادت کرو۔(۲۹) ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کی فضیلت حسب ذیل مؤثر و دلکش اسلوب میں فرمائی:

> قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! میں بیمار رہا تو تو نے میری عیادت نہ کی؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو تو سارے جہاں کا پروردگار تھا، میں تیری عیادت کیوں کر کرتا؟ فرمائے گا: کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔(۳۰)

تعلیم کی یہ طرز ادا بیماروں کی تیمارداری اور غم خواری کی کیسی دلنشین تلقین ہے اور مریض کو کیسی ہمت افزائی ہے کہ اس کا رب گویا اس کے سرہانے کھڑا اپنی مہربانیوں سے اسے نوازتا رہتا ہے اور اس کے درجوں اور رتبوں کو بلند کرتا رہتا ہے۔(۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت کو اہتمام سے جاتے، سرہانے بیٹھ کر پوچھتے، تمہاری

طبیعت کیسی ہے؟ بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے، کبھی سینے اور پیٹ پر دست شفقت پھیرتے اور کبھی چہرے پر۔ کھانے کو پوچھتے، بیمار کسی چیز کی خواہش کرتا تو اگر مضر نہ ہوتی تو منگوا دیتے۔ تسلی دیتے اور فرماتے فکر کی کوئی بات نہیں، خدا نے چاہا تو جلد صحت یاب ہو گے پھر اس کی شفا کے لئے دُعا فرماتے۔(۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول صرف اپنے قریبی ساتھیوں تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ بچوں اور عام دیہاتی افراد کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے۔(۳۳) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے اور اسلام کی تبلیغ اور انسانیت کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا اس قدر خیال تھا کہ اس وقت بھی انہیں اسلام کی تبلیغ فرماتے اور انہیں کہتے کہ کلمہ پڑھ لو مسلمان ہو جاؤ محفوظ ہو جاؤ گے، سلامتی پا جاؤ گے، چنانچہ بخاری میں روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، جب بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اسے فرمایا اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔(۳۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب کسی مسلمان کو کوئی بیماری یا تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے (خزاں میں) درخت کے پتے۔(۳۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جاتا ہے اور اپنے بھائی سے ملتا ہے تو ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکار کر یہ دعا کرتا ہے کہ تو خوش و خرم زندہ رہے اور خوش و خرم جنت میں جائے۔(۳۶) آپ ﷺ مریض کو بیماری کی دوا کرنے کی بھی تلقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے اللہ کے بندو اپنی بیماریوں کی دوا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا مقرر کی ہے سوائے بڑھاپے کے۔(۳۷)

ایک بار حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ حضرت جابرؓ پر اس وقت غشی طاری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو پانی منگوا کر وضو کیا، اور بچے ہوئے پانی کے ان پر چھینٹے دیئے، تھوڑی دیر میں حضرت جابر ہوش میں آ گئے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ نے بات چیت کی اور اپنے ترکے کے متعلق مسائل پوچھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ۔(۳۸)

ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب کسی شخص کی وفات کا وقت قریب ہوتا تو صحابۂ کرامؓ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مرنے سے قبل تشریف لاتے، اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے اور اس کی وفات تک وہیں

موجود رہتے، اس میں بعض اوقات تاخیر بھی ہوتی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی، صحابہؓ نے اس زحمت کو دیکھتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب کوئی شخص انتقال کرجاتا تب آپ کو اس کی وفات کی خبر دیتے، آپ اس کے پاس تشریف لے جاتے، اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے، نمازِ جنازہ پڑھتے اور پھر تدفین میں شرکت کرنی ہوتی تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے، لیکن صحابۂ کرامؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر تکلیف اٹھانا بھی گوارا نہ ہوا اور وہ خود جنازہ آپ کے ہاں لانے لگے، اور پھر یہی معمول بن گیا۔ (۳۹)

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی اور اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مرجائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ وہ مرجائے تو جنازے کی نماز میں خود پڑھاؤں گا، تب اس کو دفن کیا جائے۔ اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ جب تیار ہوکر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی اور رات ہی کو دفن کردیا۔ صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر آپ نے دوبارہ اس کی قبر پر جاکر نمازِ جنازہ ادا کی۔ (۴۰)

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی۔ اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں بجالا۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔ (۴۱) یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سرِ راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے۔ (۴۲)

خدمتِ خلق:

خدمتِ خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی زندگی کا ایک نہایت اہم باب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ماحول میں اسلام کے پیغام کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیا اس کی مقبولیت میں اس پیغام کی حقانیت، اس کے محکم اُصول اور الٰہی تعلیم کی تاثیر کے ساتھ ساتھ عام انسانی ہمدردی، خدمت اور انسانیت دوستی کی خصوصیات اس پیغام کی نشر و اشاعت کا سبب بنیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ ثانیہ تھیں، اور جن سے کام لے کر آپ ﷺ سرکش مخالفین تک کو اسلام کے دامنِ رحمت میں لے آئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے مندرجہ ذیل الفاظ جو آپ ؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی گراں بہا ذمہ داری کے سونپے جانے کے بعد دلاسا دیتے اور ڈھارس بندھانے کے انداز میں فرمائے تھے، قبل از نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی زندگی کے ایک نہایت ہی درخشاں رُخ کو سامنے لاتے ہیں:

> خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنج نہ دے گا، آپ ﷺ تو امانت ادا کرتے ہیں، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ ﷺ ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ناداروں کے لئے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ ﷺ لوگوں کی ان حوادث پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں۔ (۴۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ خدمات تھیں جنہوں نے عربوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور مقام کو اُونچا کر دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کے لئے ان کے دلوں میں جگہ پیدا کر دی تھی۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر بولا: "اے محمد! میرا ذرا سا کام ہے، ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، پہلے اس کو کر دو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔ (۴۴)

خباب بن ارت ؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا، خباب ؓ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روز اُن کے گھر جاتے اور دودھ دوہ آیا کرتے۔ مدینہ منورہ کے باہر کچھ یتیم لڑکیاں رہتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بکریوں کا دودھ دوہ آیا کرتے تھے۔ (۴۵) اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ ان کا کام کر دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عار نہ تھا۔ (۴۶)

ایک سفر میں صحابہ ؓ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کے لئے آپس میں کام بانٹ لئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگل سے لکڑیاں میں لاؤں گا۔ صحابہ ؓ نے تامل کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام ہم کر لیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں امتیاز پسند نہیں کرتا اور خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز ہونے کی کوشش کرتا ہے"۔ (۴۷)

لوگوں کو حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمے قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کر دوں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ (۴۸)

ایک صحابیؓ کی شادی کے ولیمہ کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس ذخیرے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ (۴۹)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کیا کرو۔ یہ بھی فرمایا کہ بھولے بھٹکے ہوئے اور کسی اندھے کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ جو شخص راستہ چلنے میں کوئی کانٹا راستے سے ہٹا دے تو خداوند تعالیٰ اس کے اس کام کی قدر کرتا ہے اور اس کا گناہ معاف فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (۵۰)

مہمان نوازی:

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا اور خود بنفس نفیس ان کی خدمت کی (۵۱)۔ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا دودھ اسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی، جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پلاتے گئے۔ (۵۲)

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے، (۵۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ (۵۴)

صحابہؓ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا۔ وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے، لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمیوں کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمیوں کو ساتھ لے جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین

آدمیوں کو ساتھ لے گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے۔(۵۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے۔ جب دوپہر ہوتی تو پیالہ آتا اور اصحاب صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لئے جگہ نکل آئے۔(۵۶)

مقداد کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی۔ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا۔ آخر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو دولت خانے پر لے گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔ چنانچہ ہم میں سے ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔(۵۷)

عرب میں مہمان نوازی عام تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس صفت میں بھی بے حد ممتاز نظر آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان، کافر، مشرک اور مسلمان کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے یکساں سلوک فرماتے تھے۔

ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مہمان رہے رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیت نبوی ﷺ بھوکے رہے۔(۵۸) اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، شب کو ایک کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا، آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا پھر تیسری، پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ تمام دودھ پیتا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی منغض ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔(۵۹)

حسن خلق:

نبی رحمت ﷺ کا خلق عظیم کافر و مسلم، دوست و دشمن، اپنے و بیگانے ہر ایک کے لئے عام تھا، ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ عداوت تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ ان کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر کسی معاملے میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ

جانبداری نہ فرماتے، اس کی متعدد مثالیں ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آ کر شکایت کی کہ ایک مسلمان نے مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔(۶۰)

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مہمان داری کی، مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔(۶۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے کچھ بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ اگر کسی ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے، جو خود پہنے وہی اسے پہنائے۔ اس کے ذمہ اتنا کام نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر کام زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔(۶۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے اور وہ ماں باپ، قبیلہ، رشتہ دار کو چھوڑ کر عمر بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہؓ غلام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، ان کو ان کے باپ لینے آئے لیکن وہ اس آستانہ رحمت پر باپ کے ظلِ عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور ان کے ساتھ جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ زیدؓ کے بیٹے اُسامہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر اُسامہؓ بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا۔ غلاموں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی رحمت و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آزاد فرما دیتے تھے۔ مالِ غنیمت تقسیم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے۔ جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہ ہوتا تھا اس لئے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کو عنایت کرتے تھے۔(۶۳)

ایک دفعہ مقام جعرانہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھا دی۔ راوی کہتا ہے کہ

میں نے دریافت کیا کہ یہ عورت کون تھی؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی رضائی ماں تھیں۔(۶۴)

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضائی والد آئے۔ آپ نے ان کے لئے چادر کا ایک کونہ بچھا دیا۔ پھر رضائی ماں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا گوشہ بچھا دیا آخر میں رضائی بھائی آئے تو آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔(۶۵)

حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی ہیں۔ ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے۔ تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ حضرت جعفرؓ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان کو گلے لگا لیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

حسنِ معاملہ:

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے، یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہاں گروی تھی، لیکن ہر حال میں حسن معاملہ کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرض لیا کرتے تھے۔ یہودیوں کا عمومی مزاج سختی و ترشی کا ہے، اور وہ سخت گیر مشہور رہیں، لیکن آپ ﷺ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجرانہ تعلقات تھے انہوں نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے، اس لئے قریش نے متفقہ طور پر آپ کو ''امین'' کا خطاب دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہ آپ ﷺ سے برسرِ پیکار تھے۔ نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے تاہم ان کی دولت کے لئے مامون مقام آپ ﷺ کا کاشانہ تھا۔ عرب میں سائبؓ نامی ایک تاجر تھے، وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ ﷺ سے ان کا تعارف کرایا۔ آپ نے فرمایا: ''میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں''۔ سائبؓ نے کہا میرے ماں باپ فدا، آپ میرے ساجھی تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔(۶۶)

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔ چند روز کے بعد وہ تقاضے کو آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دیں۔ انصاری نے کھجوریں ادا کیں، لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں اور اس شخص نے لینے سے انکار کیا۔ انصاری نے کہا تم رسول

اللہ ﷺ کی عطا کردہ کھجور لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہاں رسول اللہ ﷺ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔(۶۷)

ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا اونٹ قرض لیا جب صدقے کے اونٹ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ویسا ہی اونٹ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے عرض کیا کہ سب اونٹ اچھے اور بڑے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی دے دو کیونکہ لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو قرضہ اچھے طور پر ادا کرے۔(۶۸) اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا قرضہ تھا، آپ ﷺ نے میری رقم سے زیادہ رقم مجھے لوٹائی۔(۶۹)

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش تھا، ایک سرخ رنگ کا اُونٹ اس کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً ادھر سے آپ کا گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتلائی، بے مول تول کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی قیمت منظور کرلی اور اُونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بعد میں لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالے کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلے کو ندامت تھی۔ قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اس نے کہا مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا یعنی ایسا شخص دغا نہ دے گا۔ رات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔(۷۰)

غزوہ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اسلحے کی ضرورت تھی۔ صفوان اس وقت تک کافر تھے۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زرہیں طلب کیں، انہوں نے کہا: ''محمد! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟'' فرمایا نہیں، میں عاریتاً مانگتا ہوں، اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے تیس چالیس زرہیں مسلمانوں کو عاریتاً دیں۔ حنین سے واپسی پر جب اسلحہ اور دیگر سامان کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہیں کم نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کہا، تمہاری چند زرہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لے لو۔ صفوان نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دل کی حالت اب پہلے جیسی نہیں ہے''۔ یعنی میں مسلمان ہوگیا ہوں، اب معاوضے کی حاجت نہیں۔(۷۱)

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال یہ تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وسق چھوہاروں پر گوشت چکالیا۔ گھر میں آ کر

دیکھا تو چھوہارے نہ تھے۔ باہر تشریف لاکر قصاب سے فرمایا میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں۔ اس نے واویلا مچایا کہ ہائے! بد دیانتی، لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ بد دیانتی کریں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو، اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا۔ اس نے پھر وہی لفظ کہے۔ لوگوں نے پھر روکا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کہنے دو، اس کو کہنے کا حق ہے اور اس جملے کو کئی بار دہراتے رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک انصاریہ کے ہاں اس کو بھجوا دیا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے۔ جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس کا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وعفو اور حسن معاملت سے متاثر تھا۔ دیکھتے کے ساتھ بولا: محمدؐ! تم کو خدا جزائے خیر دے، تم نے قیمت پوری دی اور اچھی دی۔ (۷۲)

جود وسخا:

صفت جود وسخا انسان کو عوام الناس میں مقبول ترین بنا دیتی ہے۔ کوئی شخص جو خوش خلق ہو، دوسروں کا ہمدرد وغمگسار بھی ہو تو وہ کبھی کسی کو تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا بلکہ ہر ایسے موقع پر اعانت وامداد کے لئے آمادہ رہے گا۔ جود وسخا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ (۷۳) تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

انما انا قاسم واللہ یعطی۔ (۷۴)

میں تو صرف تقسیم والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

ایک دفعہ ایک اجنبی شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دُور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ سے درخواست کی، آپ ﷺ نے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا، اسلام قبول کر لو محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔ (۷۵)

غزوہ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے۔ راہ میں بدوؤں کو خبر لگی کہ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہونے والا ہے۔ آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اژدہام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ردائے مبارک تھام لی، بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر

اڑ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی۔فیاض عالم نے کہا میری چادر دے دو،خدا کی قسم! اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے۔نہ دروغ گو مرد۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا: محمد! یہ مال تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے،ایک بار شتر دیدے،آپ ﷺ نے اس کے اونٹ کو جاو رکھجوروں سے لدوا دیا،اور فرمایا کہ اللہ کی برکت کے ساتھ رخصت ہو جاؤ۔(۷۶)

آپ ﷺ گھر کا کام کاج خود کرتے،کپڑوں میں پیوند لگاتے،خود جھاڑو دیتے،دودھ دوہ لیتے،بازار سے سودا سلف لاتے،جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے میں پرہیز نہ تھا۔ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے،لوگ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے،فرمایا کہ اہل عجم کی طرح تعظیم کے لئے نہ اٹھو۔(۷۷)

مجلسی زندگی اور سماجی خدمات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چودہ سال تھی تو حرب فجار نامی لڑائی میں شرکت کا موقع ملا تھا۔یہ لڑائی قریش مع کنانہ اور قیس کے خاندانوں میں ہوئی تھی۔اگرچہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے برسر حق ہونے کی بنا پر حصہ لیا تھا لیکن پھر بھی کسی انسانی جان پر خود ہاتھ نہیں اٹھایا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح کیا۔اس شادی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر وقت خدا کی عبادت اور بنی آدم کی فلاح و بہبود اور خیر اندیشی کے کاموں میں صرف ہوتا تھا۔انہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں،سمجھدار لوگوں کو ملک کی بے امنی،راستوں کا خطرناک ہونا،مسافروں کا لٹنا،غریبوں پر زبردستوں کا ظلم بیان کر کے ان سب باتوں کی اصلاح پر توجہ دلائی۔چنانچہ فجار کی لڑائی سے واپسی کے ایک مہینہ بعد ماہ شوال میں تمام خاندانوں نے جن میں بنوہاشم،بنوالمطلب،بنواسد،بنوزہرہ،بنوتمیم شامل تھے،ایک جگہ بیٹھ کر ایک اصلاح پسند انجمن قائم کی جو ''حلف الفضول'' کے نام سے مشہور ہوئی۔اس معاہدے کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱۔ مکے سے بدامنی دور کی جائے گی۔

۲۔ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

not

۳۔ مظلوموں کی امداد کی جائے گی، خواہ وہ مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی۔

۴۔ زبردست کو زیردست پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا۔(۷۸)

حلف الفضول کے شرکا نے جو حلف لیا وہ یہ تھا:

> خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تا آنکہ وہ (ظالم) اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کردے۔ اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور حراء و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم ہیں، اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی، (۷۹)

ایسے ہی نیک کاموں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''الصادق الامین'' کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کیا۔ لیکن جب حجر اسود کو نصب کرنے کا معاملہ آیا تو قریش میں کشمکش پیدا ہوگئی، تلواریں کھینچ گئیں، اور لوگ باہم قتل و قتال پر آمادہ ہوگئے، چار روز اسی کشمکش کی نذر ہوگئے، بالآخر یہ طے پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں گے۔ اور آپ کا فیصلہ سب کے لئے قابل قبول ہوگا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انتہائی فہم و فراست سے کام لے کر اس تنازع کو چکا دیا۔ اور آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اس میں رکھ کر فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے تا کہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے۔ آپ کے اس فیصلے کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اوپر اٹھائی اور اسی طرح اٹھائے ہوئے اس مقام تک لائے جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا۔ پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا۔ اس طرح آپ کے حسن تدبیر سے ایک بڑی خونریزی رک گئی۔(۸۰)

سماجی زندگی میں دوستوں کا مقام ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ گہری دوستی اور سب سے زیادہ بے تکلفانہ رابطہ حضرت ابوبکرؓ سے تھا۔ حلقۂ احباب میں ایک شخصیت حکیم بن حزام کی بھی تھی جو حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی تھے اور حرم کے منصب افادہ پر فائز تھے۔ اسی طرح ضماد بن ثعلبہ ازدی کا نام بھی آپ ﷺ کے احباب میں آتا ہے جو طبابت و جراحی کا کام کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ نبوت کے بعد قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن ہو گئے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امانت کا اتنا پاس و لحاظ تھا کہ مدینہ کی ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ

not

علیہ وسلم کے پاس قریشیوں کی کچھ امانتیں رکھی ہوئی تھیں ۔انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سپرد کر کے فرمایا: ''صبح سے پہلے ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دینا''۔(۸۱)

جب سب صحابہؓ مل کر کوئی کام کرتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے۔ غزوہ احزاب میں جب تمام صحابہؓ مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک آدمی کی طرح کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ جسم اطہر پر مٹی کی تہہ جم گئی۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوش مبارک پر بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔

مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، خلوت، جلوت، نشست و برخاست، غرض ہر وقت جاری رہتا تھا۔ تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے اس موقع پر ہوتے تھے۔ اس بناء پر آپ نے تعلیم و ارشاد کے لئے بعض اوقات خاص کر دیے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور خواہشمند حضرات ان مجالس میں شریک ہو سکیں۔ یہ صحبتیں عموماً مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپ وہاں نشست فرماتے۔ ابتدا میں آنحضرت ﷺ کی نشست کے لئے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی اس لئے جب باہر کے اجنبی لوگ آتے تو آپ ﷺ کو پہچاننے میں دقت ہوتی بعد میں صحابہؓ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونوں طرف صحابہؓ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔(۸۲)

مجالس میں گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا، لیکن یہ امتیاز مراتب نسب و نام یا دولت و مال کی بنا پر نہیں بلکہ فضل و استحقاق کی بنا پر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کی معروضات سن کر ان کی حاجت براری فرماتے۔ مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے۔ یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالبات مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی تھی۔ کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہیں آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے۔ نماز کے بعد جو مجلس منعقد

ہوتی اس میں وعظ ونصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی، لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر حقائق ومعارف کے اظہار کے لئے مجالس منعقد فرماتے تھے۔

پند ونصائح خواہ کتنے ہی مؤثر طریقہ سے بیان کئے جائیں لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصائح کی مجلس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔ چونکہ ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لئے خاص دن مقرر فرمایا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ وارشاد کے لئے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ (۸۳)

رسول اکرم ﷺ کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آ کر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرامؑ اور مصلحین عالم سے اعلانیہ ممتاز ہو جاتی ہے۔ تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی وعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا تو دُنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی۔ دُنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح علیہ السلام کا درجہ سب سے بلند ہے، لیکن کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلح اعظم (بدھ) عملاً خود کیا تھا۔ کوہ زیتون کے رہنما نہ اخلاق کا واعظ (مسیح) دُنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زریں مقولوں کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ لیکن مکہ کا معلم اُمی ﷺ خود اپنی تعلیم کا نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع میں جو کچھ کہتا تھا گھر کے خلوت کدے میں، دوستوں اور اصحاب کی محفل میں، بازاروں اور گلی کوچوں میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون رازداں ہو سکتا ہے۔ (۸۴) چند صحابیوںؓ نے آ کر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کیجئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

کان خلقه القرآن۔ (۸۵)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔

رسول اکرم ﷺ کی سماجی زندگی اسلامی نظام حیات کے اس باب کی مکمل آئینہ دار تھی جو حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کے نام سے موسوم ہے، پھر جبکہ آپ ﷺ کی پوری حیات مقدسہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** اس لئے دعوت وتبلیغ کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے لئے خصوصاً آپ ﷺ کے اس پہلو میں عمل کے سینکڑوں گوشے نمایاں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نعیم صدیقی/محسن انسانیت/ الفیصل ، لاہور، مقدمہ
۲۔ بیہقی/شعب الایمان
۳۔ محسن انسانیت/ص۱۰۵
۴۔ جاحظ/ البیان والتبیین/ ج۲،ص۲۱
۵۔ روایت جابر بن سمرۃؓ مسلم/ کتاب الادب
۶۔ شمائل ترمذی
۷۔ محسن انسانیت/ ایضاً
۸۔ سیرت النبی ﷺ/ ج۲،ص۱۳۹
۹۔ زرقانی /شرح مواہب اللدنیہ/ ج۱/ص۲۹۱
۱۰۔ محسن انسانیت/محولہ بالا/ص۲۷
۱۱۔ ایضاً/ص۱۰۵
۱۲۔ ابوداؤد/ ج۳،ص۲۷۷، رقم ۳۵۳۶
۱۳۔ فتح الباری/ ج۱۰،ص۳۸۲
۱۴۔ محسن انسانیت/ص۱۰۶
۱۵۔ محسن انسانیت/ص۱۰۷
۱۶۔ محسن انسانیت/ص۱۰۹
۱۷۔ ابن ہشام/ ج۴،ص۹۱
۱۸۔ مسلم کتاب الفضائل، باب حسن خلقہ
۱۹۔ قاضی عیاض/ الشفاء/ ج۱،ص۶۱
۲۰۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المعونہ المسلم
۲۱۔ بخاری، کتاب الجنائز
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ابوداؤد کتاب الجنائز
۲۴۔ مسلم باب عیادۃ المریض
۲۵۔ ابوداؤد کتاب الجنائز
۲۶۔ بخاری، کتاب الجنائز
۲۷۔ بخاری/عیادۃ المشرک
۲۸۔ بخاری، الادب المفرد کیف اصبحت ، ابن حجر، الاصابہ، ترجمہ رفیدہؓ
۲۹۔ مسند احمد/ ج۴،ص۳۹۴
۳۰۔ مسلم، باب فضل عیادۃ المریض
۳۱۔ اس بحث کا زیادہ تر حصہ علامہ سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، جلد۶،ص۱۵۶ سے ماخوذ ہے۔
۳۲۔ ابن قیم، زادالمعاد/ ج۲،ص۴۹۲
۳۳۔ بخاری/ ج۳،ص۴
۳۴۔ بخاری/ ج۴،ص۴
۳۵۔ بخاری/ ج۲،ص۴
۳۶۔ ترمذی/ ج۳،ص۴۰۵
۳۷۔ ترمذی/ ج۴،ص۴
۳۸۔ صحیح بخاری/ ج۲،ص۲۵۸،
۳۹۔ مسند احمد/ ج۳،ص۴۶۶
۴۰۔ بخاری، کتاب الجنائز میں یہ واقعہ ایک حبشی کے حوالے سے ہے، جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا مذکور ہے، حاشیہ سیرت النبی/ ج۲،ص۲۳۹
۴۱۔ بخاری باب عیادۃ المشرک
۴۲۔ ابوداؤد/ کتاب الجنائز
۴۳۔ بخاری/ ج۱،ص۶
۴۴۔ ابوداؤد/ کتاب الادب۔ بخاری/ کتاب صلاۃ
۴۵۔ سیرت النبی/ ج۲،ص۲۰۸
۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ زرقانی / ج۴،ص۳۰۶
۴۸۔ بخاری کتاب الدین

۴۹۔ مسند احمد/ ج۴، ص۵۵ ۶
۵۰۔ ترمذی/ ج۳، ص۳۷۳، رقم ۱۹۳۷
۵۱۔ قاضی عیاض/ الشفاء/ ج
۵۲۔ مسلم/ کتاب الاطعمہ، باب المومن یاکل فی معی واحد
۵۳۔ مسند احمد/ ج۶، ص۳۹۷
۵۴۔ ابوداؤد/ کتاب الادب
۵۵۔ مسلم کتاب الاطعمہ
۵۶۔ ابوداؤد/ کتاب الاطعمہ
۵۷۔ مسلم محوالہ بالہ
۵۸۔ مسند ابن حنبل/ ج۶، ص۳۹۰
۵۹۔ ترمذی، باب ان المومن یاکل فی میا وحدۃ
۶۰۔ سیرت النبی/ ج۲، ص۲۲۴
۶۱۔ ایضاً
۶۲۔ ابوداؤد کتاب الادب، باب فی حق المملوک
۶۳۔ ایضاً/ ص۲۳۲
۶۴۔ مشکوۃ/ کتاب الادب، باب البر والصلۃ
۶۵۔ البدایۃ والنہایۃ/ ج۴، ص۳۹۳
۶۶۔ ابن حجر/ الاصابہ/ ترجمہ عبداللہ بن سائب
۶۷۔ مسند احمد/ ج۲، ص۲۳
۶۸۔ مسلم/ ج۳، ص۶۱، رقم ۱۶۰۰
۶۹۔ ابوداؤد/ ج۳، ص۲۱۲، رقم ۳۳۴۶
۷۰۔ الدارقطنی/ ج۳، ص۴۵
۷۱۔ الدارقطنی/ ج۳، ص۴۰
۷۲۔ احمد/ ج۱، ص۲۶۸
۷۳۔ بخاری/ کتاب بدء الوحی۔ مسلم/ ج۴، ص۳۳، رقم ۲۳۰۸
۷۴۔ مسند ابی یعلی/ ج۱۰، ص۲۳۸، ۵۸۵۵
۷۵۔ مسلم/ ج۴، ص۳۶، رقم ۲۳۱۲
۷۶۔ ابوداؤد/ ج۴، ص۲۶۳، رقم ۴۷۷۵
۷۷۔ ترمذی/ الشمائل المحمدیہ
۷۸۔ ابن سعد/ الطبقات الکبریٰ/ ج۱، ص۱۲۸
۷۹۔ سہیلی/ الروض الانف/ مصر/ ج۱، ص۱۵۷
۸۰۔ زرقانی/ ج۱، ص۳۰۳۔ عیون الاثر/ ج۱، ص۱۲۱۔ حلبی/ ج۱، ص۲۲۹
۸۱۔ طبقات/ ج۳، ص۱۵۔ شامی/ ج۳، ص۲۶۷
۸۲۔ ابوداؤد/ باب القدر
۸۳۔ صحیح بخاری/ کتاب العلم
۸۴۔ سیرت النبی ﷺ/ ج۶،
۸۵۔ طبقات/ ج۱، ص۱۷۵

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، نوشہرہ
کی چند نئی مطبوعات

اشاعت خاص ماہنامہ القاسم بیاد حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صفحات: ۴۵۲

بزم منور، جلد ۱۶ افادات حضرت مولانا منور حسین سورتی صفحات ۳۰۲

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابو ہریرہ، نوشہرہ۔ برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد ضلع نوشہرہ، فون: ۶۱۱۰۶۳۰۶۱۱ (۰۹۲۳)